الزاما، وأقول: ان كان اللفظ اليوناني الأصل باراكلي طوس كما يدعون فهذا لاينافي الاستدلال أيضا، لأن معناه المعزى و المعين و الوكيل على ما بين صاحب الرسالة ، أو الشافع كما يوجد في الترجمة العربية المطبوعة سنة ١٨١٦م ، و هذه المعاني كلها تصدق على محمد ﷺ.(١)

''وہ اصل عبرانی لفظ جوعیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا قطعی معدوم ہےاور جو یونانی لفظ موجود ہے وہ صرف ترجمہ ہے' مگر ہم اصل لفظ کی بحث کو چھوڑتے ہوئے اس یونانی لفظ ہی پر بحث کرتے ہیں کہ اگر اصل یونانی لفظ ''پیرکلوطوس'' ہے تب تو ظاہر ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کی بشارت محمد ﷺ کے حق میں ایسے لفظ کے ساتھ دی گئی ہے جو ''محمد'' اور ''احمد'' کے قریب قریب ہم معنی ہے- یہ چیز اگرچہ عیسائیوں کی عام عادت کے پیش نظر قرین قیاس ہے، مگر ہم اس احتمال کو چھوڑتے ہیں کیونکہ اس صورت میں مخالفین پر پورے طور پر حجت قائم نہ ہوسکے گی- بلکہ ہم کہتے ہیں کہ چلئے آپ ہی کا دعویٰ کہ اصل یونانی لفظ ''پاراکلی طوس'' ہے' اگر مان لیا جائے تب بھی ہمارے استدلال کے لئے مضر نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس کے معنی ''منسوب کیا گیا'' اور ''مددگار'' اور ''وکیل'' کے ہیں' یا پھر اس کے معنی ''سفارش کرنے والا'' ہیں جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں موجود ہے اور یہ سب اوصاف محمد ﷺ پر پورے پورے صادق آتے ہیں۔''

بعلبکی نے المورد میں Paraclete کے معنی ''البارقليط المعزي'' لکھا ہے۔(۲)

جبکہ سیرت ابن ہشام میں ہے:''و المنحمنا بالسريانية : محمد ، و هو بالرومية : البرقليطس ﷺ'' ۔(۳)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تسلی دہندہ' مددگار' سفارش کرنے والے، وکیل یا شفیع سے مراد وہ نبی ہے جس کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو خوشخبری دیتے ہوئے دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ مکرم و معظم ہے، میں اس لائق نہیں کہ اس کا تسمہ کھولوں۔اور یہ بھی فرمایا کہ وہ میری گواہی دے گا۔ یہ ہمہ صفت نبی آخرالزمان محمد مصطفیٰ ﷺ میں یکجا ہیں اور وہی وہ نبی ہیں جن کی خوشخبری حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔اور وہ شخص جو ذرا سا بھی عقل و دانش رکھتا ہوگا اور اپنی کتابوں پر ایمان رکھتا ہوگا وہ ضرور بضرور اس بات کو مانے گا کہ حضرت محمد ﷺ وہ نبی ہے جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ماننے والوں کو اپنے بعد آنے والے ہادی کی پیش گوئی کی تھی اور جو عیسائی اپنے نبی کی اس پیشن گوئی کو حق جانے گا اور تسلیم کرے گا تو اس پر حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا واجب ہو جائے گا، ورنہ واصل فی النار ہوگا اور اس پر اس کو یقین آنا چاہئے۔

(جاری ہے)

❁❁❁❁❁❁

---

(۱) اظہار الحق ج ۴ ص ۱۱۹۰ (۲) المورد بعلبکی دیکھیئے لفظ Paraclete ص ۶۵۶ (۳) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۳۳

مُحرَّمُ الحَرَام

احکام......مسائل......فضائل

میاں انوار اللہ

﴿إن عدة الشهور عندالله اثنا عشرشهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذلك الدين القيم﴾ ''جس روز سے اللہ تعالی نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا، بے شک اسی روز سے کتاب اللہ میں اللہ تعالی کے مقرر کردہ مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یہی سیدھا دین ہے۔'' (التوبة: ٣٦)

اس آیت کریمہ سے چار باتیں ثابت ہوئیں:

١۔ مہینوں کو مقرر کرنے والا اللہ تعالی ہے۔ ٢۔ سال کے کل مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔

٣۔ مہینوں کا تقرر ارض وسما کی پیدائش کے روز سے ہے۔ ٤۔ بارہ میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔

یوں تو ہر روز قتل و غارت اور فسق و فجور سے پرہیز بہت ضروری ہے۔لیکن حرمت والے مہینوں میں مزید سخت تاکید ہے۔حرمت والے مہینے تین تو لگاتار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا حرمت والا مہینہ رجب ہے۔ ذوالقعدہ سے محرم تک تو سفر حج کے مہینے ہیں، جبکہ رجب میں لوگ عموماً عمرہ کیا کرتے تھے۔ یہ چاروں مہینے امن وامان کے ہیں۔لوگ ان میں حج اور عمرہ کیلئے آتے جاتے اور بے خوفی سے تجارتی سفر کرتے تھے۔(بخاری کتاب التفسیر، باب ٨ عن ابی بکرة ١٧٥/٨، كتاب بدء الخلق باب ٢ عنه ٣٣٨/٦)

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے: سنہ قمری کے مطابق خطوط میں تاریخ درج کرنا ہمارے پیارے نبی ﷺ سے ثابت ہے۔(تاریخ ابن عساکر جلد اول، رسائل الشماریخ للسیوطی) آپ کی وفات کے بعد اسلامی تاریخ کے لحاظ سے سال بھی متعین کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔لہذا عہد فاروقی میں گورنر یمن حضرت ابوموسی اشعریؓ نے خلیفہ راشد کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔حضرت عمرؓ نے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو اپنے ہاں جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔تبادلہ خیالات کے بعد طے پایا کہ واقعہ ہجرت اسلامی سال کی بنیاد بنائی جائے۔یہ رائے سیدنا حضرت علیؓ کی تھی، جسے تمام صحابہ کرامؓ نے پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کی رائے کو تمام حاضرین مجلس نے بخوشی قبول فرمایا کہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام کو قرار دیا جائے۔کیونکہ نبوت کے بارہویں سال ذوالحج کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا منصوبہ طے کرلیا تھا۔(فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، باب التاریخ ٣١٥/٧، السلفية قاهره)

سورہ یونس آیت نمبر 5 میں اللہ کریم فرماتا ہے ﴿هو الذی جعل الشمس ضياء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب ماخلق الله ذلک الا بالحق﴾ ''وہ اللہ ہی ہے جس نے آفتاب کو چمکدار اور چاند کو نورانی بنایا اور چاند کیلئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں بنائیں''۔ اسلامی یا قمری سال 354 دن سے کم اور 355 دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ سن ہجری میں ایک عجیب وغریب فضیلت پائی جاتی ہے کہ وہ شروع سے لے کر آج تک اپنی حالت مجوزہ پر چلا آرہا ہے۔ یہ چیز دنیا کے کسی اور مروجہ سن میں نہیں پائی جاتی (کلاسیکل ڈکشنری جی چراز مطبوعہ لندن 1831)

اسلام دین فطرت ہے اس کی اعلیٰ خصوصیات میں سے مساوات اور ہمہ گیری بھی ہے۔ اللہ پاک نے ان خصائص کی روشنی میں پسند فرمایا کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے موسموں میں آیا کریں۔ مثلاً اگر روزے کیلئے کوئی شمسی مہینہ مقرر ہوتا، تو حالت یہ ہوتی کہ نصف دنیا کے مسلمان آسانی میں رہتے، جبکہ باقی نصف تنگی اور سختی میں پڑ جاتے۔ کیونکہ جغرافیائی لحاظ سے دسمبر جو نصف شمالی میں سرد ترین اور مختصر ترین دنوں کا مہینہ ہے۔ وہ نصف جنوبی میں دنیا کا گرم ترین اور طویل ترین دنوں کا مہینہ ہے۔ (اطلس العالم۔ ط۔ بیروت) پس اسلام کی مساوات اور جہانگیری کا تقاضا یہی تھا کہ اسلامی سال کی بنیاد قمری حساب پر ہوتا کہ ہر جگہ مہینہ بدل بدل کر آئے ۔

دنیا میں دوسرے مروجہ سن کسی کی یوم ولادت، یا کسی قومی واقعے سے وابستہ ہیں جس سے نسل انسانی کا کوئی فائدہ نہیں۔ مثلاً سن عیسوی کا آغاز حضرت عیسیٰ کا یوم ولادت اور یہودی سن کی بنیاد حضرت سلیمان کی تخت نشینی کا واقعہ ہے، بکرمی سن راجہ بکرماجیت کی پیدائش کی یادگار ہے۔ (رحمة للعالمين. حصه دوم)

قمری سال ہی حقیقی سال ہے: ﴿يسألونک عن الأهلة قل هي مواقيت للناس والحج﴾ (البقرة: ۱۸۹) ''لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ یہ لوگوں کے لیے مقررہ اوقات اور حج کے موسم کیلئے ہے۔'' زمین کے گرد چاند کا چکر ایک قمری مہینے کا ہوتا ہے۔ اس کا مدار بیضوی ہے، اس لئے کبھی چاند زمین کے قریب ہوتا ہے کبھی دور، لہذا کبھی اسلامی مہینہ 29 دن کا اور کبھی 30 دن کا ہوتا ہے۔ زمین کے گرد چاند کے بارہ چکروں کی مجموعی مدت 354ء48ء34 دن ہیں۔ ☆

☆ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے قمری ماہ اوسطاً 29 دن، 12 گھنٹے اور 24 منٹ بتایا ہے۔ (الشمس والقمر بحسبان باب 4 صفحہ 45)
''الرابطة'' مكة المكرمة میں رؤیت ہلال سے متعلق ایک مضمون میں 29.530598 دن آیا ہے۔ (عبدالوہاب خان)

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں اسلامی سال کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے واقعہ ہجرت پر استوار کی گئی ہے (بخاری. مناقب الانصار. باب التاریخ ۷/۲۱۴)

اسلامی سن میں پنہاں رموز واسرار: ہجرت رحمت للعالمین ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اگر مسلمان اعلائے کلمۃ الحق کے صلے میں مصائب وآلام میں گھر جائے، بستی کے لوگ دشمن اور درپے آزار ہو جائیں، قریبی رشتہ دار اور خویش واقارب بھی اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی ٹھان لیں، اس کے دوست واحباب بھی طرح طرح کے دکھوں اور سختیوں میں مبتلا کردیے جائیں اور اس کی آواز کو جبراً روکنے کی کوشش کی جائے تو اس وقت حق کا علم بردار کیا کرے؟! اسلام نے اس کا حل یہ تجویز کیا ہے کہ ایسی بستی پر حجت تمام کرکے وہاں سے ہجرت کر جائے، کفر وباطل کے ساتھ مصالحت اور تبلیغ حق میں مداہنت، اقتدار اور مال ومنال سے مرعوبیت اور اپنے صحیح عقائد ونظریات میں لچک کی اسلام نے ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی۔

یہود مدینہ کی نگاہ میں عظمت وحرمت محرم: حضرت ابن عباس سے روایت ہے ''رسول کریم ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہود مدینہ کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، آپ نے پوچھا یہ کونسا دن ہے؟ انہوں نے کہا یہ ایک عظیم دن ہے، جس میں باری تعالی نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی، فرعون کو بمع لاؤلشکر غرق کردیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کا روزہ رکھا۔ ان کی اتباع میں ہم اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا''۔ (بخاری .الصوم ،باب صیام یوم عاشوراء ۴/۲۸۷ مسلم الصیام ۸/۹) بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو ضرور نویں محرم کا روزہ رکھوں گا۔'' (مسلم، الصیام ۸/۱۲) یعنی دو روزے نویں دسویں محرم کے۔☆

محرم الحرام کے مہینے میں وقوع پذیر چند اہم واقعات:

1۔ یوم عاشورہ 10 محرم کے دن طوفان تھم جانے کے بعد نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی۔

2۔ 10 محرم کو فرعون بمعہ لشکر غرقاب ہوا اور بنی اسرائیل کو نجات ملی۔ حضرت موسی نے اس دن شکرانے کا روزہ رکھا۔

3۔ ابرہہ حاکم یمن جب کعبہ شریف کو ڈھانے آیا تو اللہ نے ابابیلوں کے ذریعے اس کو اپنے ہاتھیوں کے ساتھ وادئ محسر میں تباہ کردیا۔

4۔ محرم 7 ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ یہود کے ساتھ معاہدہ طے پایا اور وہ ذمی بن کر رہے۔ (بخاری، المغازی)

☆ امام نووی کا بیان ہے کہ امام شافعی، احمد اور اسحاق وغیرہ نویں دسویں دونوں روزے رکھنے کو مستحب قرار دیتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دسویں کا روزہ رکھا اور نویں کے روزے کا ارادہ فرمایا۔ (المنہاج شرح مسلم ۸/۱۲) امام ابن حجر نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری ۷/۲۸۸)

رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے تک آپ ﷺ اور صحابہ کرام بھی عاشورے کے دن کا روزہ بہت اہتمام سے رکھتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم یا گیارھویں محرم کا روزہ ملالو تا کہ یہود کی مخالفت ہو اور مسلمانوں کو یہود پر فوقیت بھی حاصل ہو۔(مسند احمد ۱/ ۲۴۱ عن ابن عباس)

5۔ حضرت عمرؓ نے یکم محرم 4 ہجری کو شہادت پائی۔

6۔ 10 محرم 61 ہجری کو جگر گوشہ رسول ﷺ سیدنا حسین رضی اللہ تعالی عنہ مظلومیت کی حالت میں شہید ہوئے۔

حرمت محرم الحرام کی تاریخ: محرم الحرام کی حرمت اللہ تعالی نے اس روز سے مقرر کی ہے جس روز زمین وآسمان بنائے تھے۔اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ ماہ محرم کی حرمت کسی واقعہ کی محتاج نہیں۔اس ماہ وقوع پذیر ہونے والے بعض واقعات مسلمانوں کیلئے خوشی کا باعث ہیں، جبکہ کچھ واقعات اپنے اندر رنج والم کی داستانیں لیے ہوئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت تاریخ اسلام کا ایک المناک باب ہے۔وہ عمرؓ جسے غیر مسلم تاریخ دان بھی ''عظیم عمر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔بعض دانشوروں کا قول ہے کہ اسلام میں اگر ایک عمر اور ہوتا تو زمین میں کوئی کافر نہ رہتا۔

نبی کریم ﷺ کے پھول، نواسہ رسول سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت ان کے اپنے سوتیلے ماموں زاد بھائی شمر ذی الجوشن کے ہاتھوں واقع ہوئی۔اہل بیت عظام کی سادہ لوحی اور اہل کوفہ کی غداری وسنگ دلی جگر پارہ پارہ کر دیتی ہے۔اس کا ہر مسلمان کو دکھ ہے۔یہ واقعات اپنی جگہ پر، لیکن محرم کی حرمت تو ان سے بہت پہلے رب کائنات نے مقرر کر دی تھی۔

محرم الحرام میں مسنون عبادات: محرم الحرام کے مہینے میں سب سے افضل عبادت روزے رکھنا ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے ''رمضان المبارک کے بعد بہترین روزے اللہ کے مہینے یعنی محرم الحرام کے ہیں اور بعد فرض نماز کے بہترین نماز رات کی نماز (تہجد) ہے''۔(مسلم،الصیام،باب فضل صوم المحرم ۸/ ۵۴،ابو داؤد،باب ۵۶)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''محرم کے مہینے میں رکھے گئے ایک روزے کا ثواب 30 روزوں کے برابر ہے''۔(طبرانی) اس حدیث کی سند غریب ہے۔

''یوم عاشورہ کا روزہ سال گزشتہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' (صحیح مسلم ۸/ ۵ عن ابی قتادۃ)

سانحہ کربلا: سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک عظیم سانحہ ہے، جس سے ہر مسلمان کا دل تلملا اٹھتا ہے۔مکہ مکرمہ سے روانگی سے قبل آپؓ کے خاندان کے معززین اور دیگر صحابہ نے فرداً فرداً انتہائی عاجزی وانکساری اور عزت واحترام سے آپؓ کو عازم کوفہ ہونے سے روکا۔ان حضرات کا کہنا تھا کہ اس سے پہلے اہل کوفہ حیدر کرار سیدنا حضرت علیؓ سے دغا کر چکے ہیں۔روکنے والوں میں سرفہرست آپ کے چچا حضرت ابن عباسؓ اور بہنوئی عبداللہ بن جعفرؓ تھے۔جب حضرت سیدی کوفہ جانے پر مصر رہے تو ابن جعفرؓ نے

آپ کو رخصت کرتے وقت ''اے شہید! الوداع'' کے الفاظ استعمال کیے۔ کیونکہ انہیں کوفیوں کا کردار اور فاتح خیبر خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے ساتھ برتاؤ یاد تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کوفی بدعہد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا یہ خوف درست ثابت ہوا۔ یہ خوفناک واقعہ کوفہ دمشق شاہراہ پر وادئ نینوا میں پیش آیا، جو اب کربلا کے نام سے معروف ہے۔

نواسہ رسول جگر گوشہ بتول کا راستہ

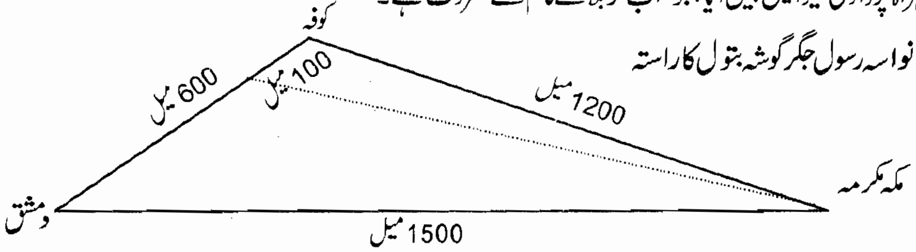

وادئ نینوا (کربلا) کا مقام کوفہ سے تقریباً 100 میل کے فاصلے پر شاہراہ دمشق پر واقع ہے۔ جب کوفیوں کی بدعہدی آپؓ پر ظاہر ہوگئی تو آپ نے حکومتی عاملین کے سامنے مندرجہ ذیل تین شرائط پیش کیں:

ا۔ مجھے واپس جانے دو۔

۲۔ مجھے سرحدوں پر بھیج دو، وہاں جہاد کروں گا۔

۳۔ مجھے یزید کے پاس بھیج دو، میں اس سے معاملہ خود طے کرلوں گا۔

لیکن حکومتی اہلکار ابن زیاد اور شمر دونوں نواسہ رسول ﷺ سے پہلے اپنی بیعت کا تقاضا کرتے رہے، جو قبول نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسی کشمکش میں آپؓ راستہ تبدیل کر کے شاہراہ دمشق پر آگے بڑھتے گئے۔ لیکن ابن زیاد اور شمر ذی الجوشن آڑے آتے رہے۔ دراصل حسینی قافلہ تو اپنے بھائیوں کے پاس دمشق جارہا تھا۔ لیکن کوفیوں کے وہ ہزاروں خطوط آپ رضی اللہ عنہ ساتھ لے آئے تھے، جو بشکل تین اونٹوں کے کجاوؤں میں سمائے تھے۔ ان میں آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی کہ ''حضرت تشریف لائیے، پھل پک چکے ہیں، لوگ آپؓ کے منتظر ہیں، مسند خلافت سنبھالیے۔'' اب انہیں اپنی رسوائی اور حاکم وقت یزید سے بدعہدی کی سزا کا شدید ڈر تھا۔ لہٰذا یہ خطوط ہر قیمت پر وہ اپنے قبضے میں لینا چاہتے تھے۔ شہادت سے قبل سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تمام خط لکھنے والے بدعہدوں (یعنی خود ساختہ محبان اہل بیت) کا نام لے لے کر پکارا اور خطوط کا متن یاد دلایا۔ بدعہدی اپنانے پر اتمام حجت کے لیے کوفیوں سے اپنا عہد پورا کرنے کو کہا۔ لیکن کوفہ والوں نے بدعہدی کا تاج اپنے سر پر رکھا، جو رہتی دنیا تک ان کی رسوائی کے لیے کافی ہے۔

مغرب وعشاء کے دھندلکے میں حضرت حسینؓ اور ساتھیوں کو شہید کر کے خطوط قبضہ میں لے کر جلا ڈالے گئے۔ ﴿خسر الدنیا و الآخرۃ﴾ نواسہ رسول کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لینا گوارا کرلیا !!

جلیل القدر صحابی عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس حج کے دوران ایک شخص نے آکر مچھر کے خون کا مسئلہ پوچھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا: کیا تو عراق کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں! آپؓ نے کہا: ''تو مجھ سے پوچھنے آیا ہے کہ مچھر اگر احرام کی حالت میں آدمی سے مرجائے اور اس کا خون کپڑے کو لگ جائے تو کیا حکم ہے؟ حیف ہے تم لوگوں نے نواسہ رسول کا خون تو حلال قرار دے دیا اور مچھر کا خون مجھ سے پوچھ رہا ہے!!!''

ادھر حکمران وقت یزید بن معاویہ کو جب حسینؓ کی کوفہ آمد کا علم ہوا۔ تو اس نے صحابی رسول نعمانؓ بن بشیر کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے گورنر بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو اضافی چارج دے دیا۔ ابن زیاد حضرت علیؓ کے گورنر تھے۔ اچھے ایڈمنسٹریٹر تھے۔ خلیفہ کا خیال تھا کہ نظم ونسق پر کنٹرول رہے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا احترام بھی ملحوظ خاطر رہے۔

شمر ذی الجوشن کا تقرر اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ سیدنا حسینؓ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا۔ آپؓ کے سوتیلے ماموں کا بیٹا اور بہنوئی تھا۔ یہی شخص سیدنا حسینؓ کے قتل کا زیادہ ذمہ دار ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس خون ریزی کی ذمہ داری حضرت حسینؓ پر ہے، اگر وہ کوفہ کا رخ نہ کرتے تو یہ ہولناک واقعہ پیش نہ آتا، لیکن یہ نظریہ نامعقول ہے۔ موت انسان کو اپنی سرزمین پر کھینچ لے جاتی ہے۔ پھر شہادت تو ''مقصود ومطلوب مومن'' ہے۔

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت حسینؓ اور یزید کا معاملہ بروز قیامت اللہ کے حضور پیش ہوگا۔ پس جو فیصلہ وہاں ہوگا، صحیح اور اٹل ہوگا۔

سیدنا حسینؓ کی ذات مجموعہ صفات اور محبوب خلائق تھی۔ وہ نسبی لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حیدر کرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اور خود ذاتی طور پر نہایت متقی بزرگ تھے، علم ومروت، سخاوت وشجاعت کے پیکر، اور ساق وقدم میں ہو بہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھے۔ اسی لئے خود حق تعالیٰ کے اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے، اور اسی بنا پر تمام مسلمانانِ عالم کے محبوب تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو بھی جوانان جنت کا سردار فرمایا تھا۔ ایسے عالی مرتبت بزرگ کے جسم میں پھانس کا لگ جانا بھی تمام امت محمدیہ کو تڑپا دینے کے لیے کافی تھا۔ آپؓ کا بمعہ اہل وعیال بے وطن ہونا، ساتھی مردوں کا قتل، ایک نوزائیدہ بچے کا خود آپؓ کی گود میں شہید ہونا پھر باحیا وعفت مآب عورتوں کی بے کسی!!!! یہ مصائب ایسے تھے جن کی وجہ سے واقعہ کربلا بھی دنیا کے دوسرے دردناک حادثات کی طرح ایک المناک حزینہ بن گیا۔ لیکن جب ہم ذرا جذبات سے الگ ہوکر یہ غور کرتے ہیں کہ دنیا میں اس سے زیادہ ہولناک مصائب لوگوں پر پڑ چکے ہیں، مگر ان کی اس قدر شہرت نہیں ہے۔ تو جستجو ہوتی ہے کہ واقعہ کربلا کی شہرت کے اسباب کیا ہیں؟؟

واقعہ کربلا کی شہرت کا راز ظلم کی ہولناکی اور صبر وثبات کی حیرت ناکی میں ہی پوشیدہ نہیں، اس کے پیچھے بہت سے سیاسی

عوامل کارفرما ہیں۔متعدد حکومتوں اور بے شمار جماعتوں نے اس کو مشہور کرنے میں حصہ لیا ہے، جو کہ تیرہ صدیوں پر محیط ہے۔

سیدنا حسینؓ کا یہ واقعہ قتل وشہادت اگر کفار کے مقابل ہوتا۔تب بھی یہ شہرت کی اتنی بلندیوں پر نہ پہنچا ہوتا۔ہم دیکھتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابل لشکر مسلمان ہی تھا اور جنگ محض سیاسی اسباب کی بنا پر تھی۔مخالفین حسینؓ میں (استثناء چند منافقین) سب مسلمان ہی تھے۔آج اگر کوئی فرقہ حضرت حسینؓ کے لشکر کے مقابل کو مطلقا یا اس کے سپہ سالار کو یا بادشاہ وقت کو "لعین، شقی، ناری، جہنمی، کافر" وغیرہ مانتا یا کہتا ہے' تو اپنی آخرت کے لیے جیسا سامان کر رہا ہے وہی جانے۔مگر ایک پرہیز گار مسلمان ایسے ریمارکس دینے کی ہمت نہیں کرسکتا۔

واقعہ کربلا کی غیر معمولی شہرت کے اسباب:

۱۔ 63 ہجری میں حضرت ابن زبیرؓ نے پرجوش تقاریر کیں، مدینہ میں یزید کی مخالفت ہوئی، اس کی بیعت توڑ دی گئی۔ اس پر شاہی فوج نے اتمام حجت کے بعد حملہ کیا، جس سے حرم مدینہ کی بے حرمتی ہوئی۔

۲۔ 66 ہجری میں مختار ثقفی نے اس بے حرمتی کو آڑ بنا کر کوفہ میں اپنی ایک جماعت بنالی۔یہ وہی مختار ثقفی کوفی ہے جس کے گھر میں مسلم بن عقیل ٹھہرے تھے۔مختار ثقفی نے اپنی "جماعت توابین" بنائی۔توابین پُرفریب تھے۔یہ اپنے اوپر سے قتل حسینؓ کا الزام مٹانے کے لیے ندامت اور افسوس کا اظہار کرتے، حضرت مسلمؒ اور حضرت حسینؓ کو بلا کر اور ان کو حکومت کے مقابل کھڑا کر کے عین وقت پر ساتھ چھوڑ دینے کو اپنی غلطی تسلیم کرتے، اس پر آنسو بہاتے اور توبہ کا اظہار کرتے۔

مختار ثقفی نے کمال ہوشیاری سے عوام کی بے پناہ ہمدردی حاصل کرنے کیلئے اپنا نعرہ "انتقام حسینؓ" رکھا۔ڈیڑھ سال کے عرصے میں اس نے نمایاں قاتلان حسینؓ (۱) شمر ذی الجوشن (۲) جوئی بن یزید (۳) عمرو بن سعد اور (۴) عبیداللہ بن زیاد کے سر کاٹ کر حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے پاس بھجوادیے۔اسی طرح اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے مختار نے کئی سال تک واقعہ کربلا کی ہر جگہ تشہیر کی اور حصول شہرت میں کامیاب رہا۔

۳۔ 67 ہجری میں مختار کے مقاصد اور شرارتیں منظر عام پر آگئیں، حتی کہ وہ درپردہ نبوت کا دعوی بھی کرنے لگا' تو کسی نے اسے قتل کردیا۔محمد بن الحنفیہؒ نے خلیفہ وقت عبدالملک کی بیعت کرلی۔کوفیوں نے ہوشیاری سے علویین اور عباسین کو واقعہ کربلا یاد دلا کر مشتعل کردیا اور ماتم حسینؓ منانے کا بے ضرر مشغلہ شروع کیا۔مگر اصل مقصد بنوامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنا تھا۔پبلک کو مشتعل رکھنے کیلئے اسے خوب شہرت دی گئی۔واقعہ کربلا اب تیسری بار سیاسی اغراض کیلئے استعمال ہوا۔

۴۔ 100 ہجری میں عباسیوں نے علویوں کو اپنے ساتھ ملالیا اور کہا کہ ہمارا مقصد مشترک ہے۔کامیابی پر خلافت کیلئے اولاد حسینؓ میں سے ہی کسی کو نامزد کیا جائے گا۔مشترکہ جدوجہد میں واقعہ کربلا کو خوب استعمال کیا گیا۔